جناب ثروت صولت

شمالی قفقاز اور داغستان کی تاریخ پر ایک نظر

" قفقاز ایک اسلامی ملک ہے جو روس کی غلامی میں ہے اور بیشتر اسلامی ملکوں نے اس کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ یہاں کی آبادی کا سب سے بڑا عنصر مسلمان ہیں اور یہاں کی تہذیب پر اسلامی تہذیب کا گہرا اثر ہے۔ قفقاز کی مسجدیں، مقبرے اور مدرسے مسلمانوں کے عہدِ زریں کے فنِ تعمیر کے نمونے ہیں اور ان کا مشرق و مغرب کے عرب ملکوں کے فنِ تعمیر سے گہرا تعلق ہے۔ کیوں کہ یہ سب عمارتیں ایک ہی تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہاں کی مسجد ابو مسلم اور مسجد کفہ کوبہ (Kafa Koba) تیسری صدی ہجری کی تعمیر ہیں۔ قریش قلعہ کی مسجد، پیر حسن کی مسجد، سید کبیر کی مسجد اور جامع لتکون (Letkon) چھٹی صدی ہجری کی تعمیر ہیں۔ ان کو فن تعمیر، انجنیئرنگ اور آرائش کے نقطۂ نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مسجدیں ایک ہی معمار کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ قفقاز کے مسلمان قالین بافی کی صنعت میں بھی بہت ممتاز تھے اور اس کا شمار ان ملکوں میں ہوتا تھا جو اپنے قالینوں کی خوب صورتی میں مشہور تھے۔ یہ خطہ، قیمتی پتھروں اور جواہر سازی کی صنعت میں بھی بہت ممتاز تھا۔"

یہ الفاظ ہیں ایک مضمون کے، جو ترکی زبان کے روز نامہ " ینی آسیا " استنبول مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۷۷ میں قفقاز سے متعلق شائع ہوا تھا۔ یہی مضمون میرے ذیل کے مقالے کا محرک ہے۔ (ثروت صولت)

جنوبی روس میں آذربائیجان کے بعد مسلمانوں کا دوسرا بڑا مرکز داغستان اور شمالی قفقاز کا علاقہ ہے۔ یہ خطہ بحیرۂ خزر (کیسپئین) سے بحیرۂ اسود تک کوہِ قاف کے ڈیڑھ ہزار کیلو میٹر طویل سلسلۂ کوہ کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے اور بیشتر علاقہ پہاڑی ہے۔ عام طور پر کوہ ایلپس کو یورپ کا سب سے بڑا اور بلند سلسلۂ کوہ سمجھا جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت کوہ قاف، یورپ کا سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ ہے، جس کی اٹھارہ ہزار فٹ بلند چوٹی البرز، کوہ ایلپس کی ماونٹ بلانک سے ڈھائی ہزار فٹ زیادہ بلند ہے۔ اس عظیم پہاڑی سلسلے کی شمالی ڈھلانوں اور ان سے متصل میدانی علاقے کو شمالی قفقاز کہا جاتا ہے۔ داغستان، شمالی قفقاز کا مشرقی حصہ ہے جو بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل کے میدانوں اور اس سے متصل پہاڑوں پر مشتمل ہے، اور چونکہ یہ شمالی قفقاز کے مغربی حصے کے مقابلے میں کسی قدر جنوب میں واقع ہے،

اس لیے اس کو جنوبی قفقاز بھی کہا جاتا ہے۔

داغستان کا بڑا حصہ پہاڑی ہے اور کوہ قاف کا مشرقی حصہ تقریباً پورے کا پورا داغستان کی حدود میں واقع ہے۔ ترکی زبان میں داغ پہاڑ کو کہتے ہیں، اس لیے اس خطے کا نام اسی نسبت سے داغستان پڑ گیا جو اردو کے لفظ کوہستان کے ہم معنی ہے۔ یہاں کے برف پوش پہاڑ اور سدا بہار جنگل دنیا کے بہترین مناظر میں شمار ہوتے ہیں۔

شمالی قفقاز اور داغستان کے باشندے مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں ترک خون کی گہری آمیزش ہے۔ آوار، لاز، بلکار، کباردی، چیچن، انگش، ایدگی اور چرکس اہم قبائل ہیں۔ یہ قبائل متعدد زبانیں بولتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان حیرت انگیز ثقافتی یکسانیت پائی جاتی ہے اور ان کے رسم و رواج اور لوک داستانیں ایک سی ہیں۔ اسی طرح مذہباً سب مسلمان اہل سنّت ہیں۔ مرد جواں مردی میں اور عورتیں حسن و جمال میں بے مثل ہیں۔ ترکی، ایران اور پاکستان و ہند کی کہانیوں میں اگر کوہ قاف کو جنوں اور پریوں کی سرزمین کہا گیا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے۔ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے قرون وسطیٰ میں یہاں کے لوگوں کی لونڈی اور غلام کی حیثیت سے بڑی مانگ تھی۔ مصر و شام پر تیرھویں صدی کے وسط سے سولھویں صدی کے آغاز تک ترک غلاموں کے جس خاندان نے حکومت کی وہ شمالی قفقاز کے یہی چرکس باشندے تھے جن کو عربی میں سرکیشی لکھا جاتا ہے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے بڑے بڑے امرا اور تونس کے عظیم مدبر اور وزیرِ اعظم خیر الدین پاشا بھی سرکیشی ترک تھے۔ شمالی قفقاز کے باشندے سوائے آسی قبیلے کے ایک حصے کے سب سنی مسلمان ہیں۔

مسلمان سب سے پہلے اموی دور میں خلیفہ ہشام (۱۰۵ھ - ۷۲۴ء تا ۱۲۵ھ - ۷۴۳ء) کے زمانے میں داغستان میں داخل ہوئے اور مسلمہ بن عبد الملک نے دربند پر قبضہ کر لیا جو عربوں کے دور میں شمال میں سرحدی قلعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ عربوں ہی کے دور میں داغستان اور اس کے نواحی علاقوں میں اسلام پھیلا۔ شمالی قفقاز کے مغربی حصوں میں جو بحیرۂ اسود سے ملے ہوئے ہیں، ۱۴۵۳ء میں فتح قسطنطنیہ کے بعد ترکوں کے ذریعے اسلام پھیلا۔ تیرھویں صدی میں سارا قفقاز منگولوں نے فتح کر لیا اور داغستان اور شمالی قفقاز سرائے کی آلتن اوردہ سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ ۷۹۷ھ - ۱۳۹۵ء میں امیر تیمور نے دریائے تیرک کے کنارے آلتن اوردہ کے حکمران توقتمش کو شکست دے کر شمالی قفقاز کے قبائل کو اپنا مطیع بنایا۔ سولھویں

اور سترھویں صدی میں یہ خطہ خصوصاً داغستان کا علاقہ ایران کی صفوی سلطنت اور ترکی کی عثمانی سلطنت کے درمیان متنازعہ رہا۔ شمالی قفقاز کے حریت پسند قبائل کو کوئی حکومت بھی پوری طرح مسخر نہیں کر سکی۔ اپنے اندرونی معاملات میں وہ ہمیشہ آزاد رہے اور شمال اور جنوب کی حکومتوں نے ان کو اپنا باجگذار بنا لینے سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا۔ سترھویں صدی تک شمالی قفقاز میں مسلمانوں کی اکثریت ہو چکی تھی اور ان کی متعدد ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ مسلمان طلبا تعلیم حاصل کرنے کے لیے شام تک جانے لگے اور عربی داغستان کی علمی زبان بن گئی۔

شمالی قفقاز کے مسلمانوں کو اب تک جن بڑی سلطنتوں سے واسطہ پڑا تھا، وہ سب مسلمان تھیں، لیکن سترھویں صدی سے ایک نیا خطرہ سر پر منڈلانے لگا۔ یہ روس کی بڑھتی ہوئی سامراجی طاقت تھی جو مسیحیت کی علم بردار تھی۔ ۱۵۵۶ء میں استراخان پر قبضہ کرنے کے بعد روس نے شمالی قفقاز میں مداخلت شروع کر دی تھی۔ اس وقت یہاں کبارڈی قبائل حکمراں تھے جو دریائے کوبان کی وادی میں آباد ایدگی قبیلے کی ایک شاخ تھے۔ زار ایوان چہارم (۱۵۳۳ء تا ۱۵۸۴ء) نے کبارڈی حکمران کو زیر اثر لانے کے بعد دریائے تیرک کے دہانے پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔ ۱۵۹۴ء اور ۱۶۰۴ء میں دو روسی سرداروں نے تیرک کے پار جنوب کی طرف حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن داغستانی اور کبارڈی قبائل نے ان حملوں کو پسپا کر دیا۔ تیرک کا قلعہ بھی ایران اور ترکی کے احتجاج پر کئی مرتبہ گرایا گیا۔ آخری مرتبہ یہ قلعہ پیٹر اعظم نے گرایا اور اس کی جگہ دریائے تیرک کے بالائی حصے میں قزل یار کا قلعہ تعمیر کیا جو شمالی قفقاز میں روسی مہموں کا مرکز بن گیا۔

روس نے شمالی قفقاز اور آذربائیجان کو تسخیر کرنے کی سنجیدگی کے ساتھ کوشش اٹھارھویں صدی کے آغاز میں پیٹر اعظم (۱۶۹۸ء اور ۱۷۲۵ء) کے دور میں کی۔ اس مہم کا آغاز خود پیٹر اعظم نے ایک لاکھ فوج[۱] سے کیا۔ غیر مسلم قالموق منگولوں نے جو سترھویں صدی میں دریائے والگا کی زیریں وادی پر قابض ہو گئے تھے، بیس ہزار فوج سے پیٹر کی مدد کی۔ روسیوں نے اس مہم کے دوران ۱۷۲۲ء میں دربند فتح کر لیا اور اگلے سال وہ باکو پر قابض ہو گئے۔ لیکن روسی اپنے ان مقبوضات کو زیادہ دن ہاتھ میں نہیں

---

[۱] اسٹڈیز آن دی سوویٹ یونین ۱۹۷۱ء شمارہ ۱۔ مضمون "شمالی قفقاز"

رکھ سکے۔ نادر شاہ کی دھمکی پر وہ ۱۷۳۵ء میں دریائے تیرک کے جنوب میں تمام مقبوضات سے دست بردار ہو گئے۔ اسی زمانے میں اسلامی سلطنت نے بھی مداخلت کی اور ۱۷۳۹ء میں معاہدہ بلغراد کے تحت روس نے شمالی قفقاز کی آزادی تسلیم کر لی اور بحیرۂ ازوف (A ۷۰ ج) اور بحیرۂ اسود کے ساحل روسی جہازوں کے لیے ممنوع قرار دے دیے گئے۔ لیکن ۱۷۶۲ء سے روس نے پھر اپنی توسیعی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ ازوف سے لے کر شمالی قفقاز تک قلعوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا گیا اور اس علاقے میں مسلمانوں کو بے دخل کر کے روسی کاسکوں کو آباد کیا گیا۔ ۱۷۷۴ء میں معاہدۂ کوچک کنارچی کے تحت روس اور سلطنتِ عثمانیہ نے کریمیا کو ایک آزاد مملکت تسلیم کر لیا۔ کریمیا کے خان اب تک سلطنتِ عثمانیہ کی بالادستی تسلیم کرتے تھے اور ان کا تقرر استنبول سے ہوتا تھا۔ کریمیا کو ترکی کی طرف سے آزاد مملکت تسلیم کروالینا روس کی ایک چال تھی تاکہ کریمیا پر روسی قبضے کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بعد روس نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے کریمیا میں اندرونی خلفشار پیدا کر دیا اور پھر اس خلفشار کو دبانے کے بہانے ۱۷۸۳ء میں اپنی فوجیں بھیج کر کریمیا پر قبضہ کر لیا۔ شمالی قفقاز چونکہ خان کریمیا کی حدود میں آتا تھا اس لیے کریمیا پر قبضے کے بعد روس نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ چونکہ کریمیا اب روس کا حصہ ہے، اس لیے روس کو شمالی قفقاز میں مداخلت کا قانونی حق حاصل ہو گیا ہے۔ روسی سپہ سالار جنرل سواروف نے ۱۷۷۷ء میں شمالی قفقاز میں کئی ہزار نوغائی قبائل کا قتل عام کر کے روس کے اس حق کا عملی مظاہرہ بھی کر دیا تھا۔ روس کے اس دعوے نے شمالی قفقاز کے باشندوں میں بے چینی پیدا کر دی اور بحیرۂ خزر سے بحیرۂ اسود تک تمام قبائل روسی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تحریکِ جہاد

ان قبائل کو متحد کرنے اور ان میں آزادی اور جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے چیچن قبیلے کے ایک دینی رہنما اور تصوف میں نقشبندی سلسلے کے مرشد شیخ منصور نے بنیادی کردار ادا کیا۔ شمالی قفقاز کے لوگوں نے ان کو تحریکِ جہاد کا ۱۷۸۵ء میں پہلا امام مقرر کیا۔ بعد میں یہی تحریک مریدیت کی تحریک کے نام سے موسوم ہوئی۔ اگرچہ اس تحریک کا سب سے بڑا مقصد کفار کی جارحانہ کارروائیوں سے وطن کی حفاظت کرنا تھا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ ہی تجدید و اصلاح کی تحریک بھی تھی اور اس کے پیروکار رسم و رواج کی بجائے شریعت کی بالادستی چاہتے تھے۔ اس تحریک کے حامی ان مقامی سرداروں کے مخالف

نے جو روس کے بارے میں مصالحانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اور روسی حکومت سے خطابات اور وظیفے وصول کرتے تھے اور روس کی توسیعی پالیسی میں مدد کرتے تھے۔

شیخ منصور نے شروع میں بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ انھوں نے شمالی قفقاز کے وسطی علاقے وادی قوقاز سے موزدک تک سارے روسی قلعے مسمار کر دیے اور علاقوں کا بہت سا ... اس وقت ... ہو سکا جب روس نے ۱۸۰۲ء میں گرجستان پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد جب ۱۷۸۷ء میں ملکہ کیتھرائن نے ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو امام منصور نے مغرب میں دریائے کوبان کی وادی کو جو اس زمانے میں سرکیشیا کہلاتی تھی، اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ یہاں بحیرۂ اسود کے کنارے انا پا کے مقام پر ترکوں نے نو تعمیر قلعے میں اپنی فوج متعین کر دی۔ ۱۷۹۱ء میں روسیوں نے یہ قلعہ فتح کر لیا اور شیخ منصور کو قید کر کے سینٹ پیٹرز برگ بھیج دیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں معاہدہ ادرنہ کے تحت ترک ... سے دست بردار ہو گئے جس کے بعد روسی سرکیشیا کو اپنی سلطنت کا ایک حصہ سمجھنے لگے، حالانکہ یہ خطہ ابھی تک آزاد تھا۔

امام منصور کہتے تھے کہ میرا دور تیاری کا دور ہے، میرے بعد آنے والا کام کو آگے بڑھائے گا۔ شیخ منصور کے بعد شمالی قفقاز کے دفاع کی ذمے داری اسلامی علوم کے عالم فاضل غازی محمد پر آ پڑی۔ ... امام مقرر کیا گیا۔ اس دوران روسی دربند کے راستے سے آگے بڑھ کر آذربائیجان، گرجستان ... پر قابض ہو چکے تھے، لیکن قفقاز کے پہاڑوں میں آزادی کی جنگ ابھی جاری تھی۔ غازی محمد ۱۸۳۲ء میں شہید ہو گئے۔ ان کی جگہ حمزہ بیگ امام منتخب ہوئے جو ۱۸۳۴ء میں ایک سازش کے تحت شہید کر دیے گئے۔ اس کے بعد شمالی قفقاز کی جنگِ آزادی کی قیادت آوار قبیلے کے ... ہاتھ میں آئی جن کو ۱۸۳۴ء میں امام منتخب کیا گیا۔

شامل

۱۸۳۰ء تک روسی شمالی قفقاز کے وسطی حصے پر جس میں وادی قوقاز ... تک ... پر ... قابض ہو چکے تھے اور ... شمالی قفقاز کے ... مغربی حصے کو ...
... شمالی قفقاز ...

تھی۔ ۱۸۵۰ء کے بعد جب روسیوں نے داغستان پر آخری حملہ کیا تو روسی فوج کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ایک روسی مورخ جنرل فادیف (Fadeev) اپنی کتاب "قفقاز کی جنگ کے ساٹھ سال"، مطبوعہ ۱۸۹۹ء میں لکھتا ہے کہ یہ تربیت یافتہ اور آزمودہ کار عظیم فوج مصر سے جاپان تک سارے براعظم کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھی لیکن قفقاز کے قبائلیوں نے اس کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔

امام شامل نے ان ناساز گار حالات کے باوجود ملکی نظم و نسق کو بہتر بنایا، فوجوں کو منظم کیا، مختلف اصلاحات جاری کیں اور پچیس سال تک مجاہدین کی ایک مختصر تعداد سے روس کی جنگی طاقت کا مقابلہ جاری رکھا۔ شروع میں ان کو ناکامیاں ہوئیں اور ۱۸۴۷ء میں حالت اتنی خراب ہوگئی کہ شاید ہتھیار ڈالنے کی نوبت آجاتی، لیکن اگلے سال ہی امام شامل نے حالات پر قابو پالیا اور داغستان کے بڑے حصے سے روسیوں کو بے دخل کر دیا۔ سرکیشیا میں بھی انھوں نے اپنا اثر و اقتدار بڑھالیا، جہاں ان کے نمائندے محمد امین نے اپنی جرأت اور دانشمندی کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی۔ ۱۸۵۴ء میں جب کریمیا کی جنگ شروع ہوئی تو محمد امین نے وہ تمام روسی قلعے فتح کر لیے جو بحیرۂ اسود کے کنارے بنائے گئے تھے۔ محمد امین نے ترکی اور اس کے برطانوی اور فرانسیسی اتحادیوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان ملکوں کے نمائندوں نے مشترکہ جنگی منصوبہ تیار کرنے کے لیے محمد امین سے ملاقات بھی کی۔ اس ملاقات میں محمد امین نے بتایا کہ ہمارے غیر منظم قبائلی روسیوں سے کھلے میدان جنگ میں تنہا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر اتحادی صرف تین ہزار فوج کمک کے لیے بھیج دیں تو وہ پچاس ہزار سوار میدانِ جنگ میں لا سکتے ہیں جو اس فوج کی مدد سے کامیاب جنگ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ ملاقات نشستند و گفتند سے زیادہ ثابت نہیں ہوئی اور شمالی قفقاز کو کسی قسم کی بیرونی مدد نہیں مل سکی۔ ۱۸۵۶ء میں معاہدۂ پیرس کے تحت جب جنگ کریمیا ختم کر دی گئی تو ان ساری امیدوں پر پانی پھر گیا جو کریمیا کی جنگ کی وجہ سے شمالی قفقاز کے باشندوں نے باندھی تھیں۔ برطانوی پارلیمنٹ میں بھی ردعمل کا اظہار ہوا اور دارالعوام اور دارالامرا دونوں میں جنگ بندی کے معاہدے کی اس وقت تک توثیق کرنے کی مخالفت کی گئی جب تک کہ سرکیشیا کا مسئلہ طے نہیں ہو جاتا۔ پارلیمنٹ نے بہرحال جنگ بندی کی توثیق کر دی اور شمالی قفقاز کو اس کی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔ حالات اب امام شامل کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ روسی فوجیں ایک کے بعد دوسرا قلعہ تسخیر کرتی جا رہی تھیں۔ ویدینو (Wedeno) جو ۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۹ء تک امام شامل کا صدر مقام تھا اپریل کے مہینے میں

ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ امام شامل نے ایک ایک بالشت کے لیے جنگ کی لیکن اب ان کے پاس گونیب (Guniv) کے قلعے کے علاوہ کوئی قلعہ باقی نہیں رہا تھا۔ امید کا ہر رشتہ کٹ جانے کے بعد آخر کار وہ ۲۵ر اگست ۱۸۵۹ء کو اسی طرح ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے[۱] جس طرح اس واقعے سے بارہ سال پہلے ۲۱ر دسمبر ۱۸۴۷ء کو ان کے ہم عصر مجاہد امیر عبد القادر، الجزائر میں پندرہ سال کی جد و جہد کے بعد فرانسیسیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس طرح وہ دفاعی جنگ جو ۱۷۸۵ء میں امام منصور کی قیادت میں شروع ہوئی تھی، ۷۴ سال بعد اختتام کو پہنچی۔ روسی حملہ آوروں کا کسی دوسری قوم نے اتنی بے جگری سے اور اتنی کامیابی سے اتنی طویل مدت تک مقابلہ نہیں کیا جتنا داغستان اور شمالی قفقاز کے باشندوں نے کیا۔

امام شامل نے انتظامی، دینی اور اصلاحی میدانوں میں جو کارنامے انجام دیے وہ ایک مستقل مضمون کے محتاج ہیں، اس لیے ان کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ سمجھ لیجیے کہ امام شامل کا دور داغستان کی تاریخ میں شریعت کا دور کہلاتا ہے۔ انیسویں صدی میں اسلامی دنیا میں کئی مجاہدین اور مصلحین پیدا ہوئے۔ ان میں نائیجیریا کے امیر عثمان دان فودیو (۱۷۵۴ء تا ۱۸۱۷ء)، اسلامی ہند و پاکستان کے سید احمد شہید (۱۷۸۶ء تا ۱۸۳۱ء)، الجزائر کے امیر عبد القادر (۱۸۰۸ء تا ۱۸۸۳ء) اور شمالی قفقاز کے امام شامل کے درمیان زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان میں بھی خاص طور پر امیر عبد القادر الجزائری اور امام شامل قفقازی کے کارناموں اور شخصی خصوصیات میں اتنی مشابہت ہے کہ ہم امام شامل کو بجا طور پر شمالی قفقاز اور داغستان کا امیر عبد القادر کہہ سکتے ہیں۔

شمالی قفقاز کے بعض علاقوں میں امام شامل کے بعد بھی ۱۸۶۵ء تک جنگ جاری رہی۔ ۱۸۶۵ء میں مدافعت کا آخری مرکز بھی جو موجودہ شہر گاگرا (Gagra) کے پاس تھا تسخیر کر لیا گیا اور زار کو قفقاز کی روسی فوج کے سالار نے تار کے ذریعے اس عظیم کامیابی کی اطلاع دی۔ اس طرح شمالی قفقاز کی طویل جنگ جو ۱۷۸۵ء

---

[۱] امام شامل ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ روسیوں نے گرفتاری کے بعد ان سے اچھا سلوک کیا اور ان کو روسی شہر کالوگا میں رہنے کی اجازت دے دی۔ ۱۸۷۰ء میں ان کو حج کرنے کی اجازت مل گئی۔ حج کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے کہ وہیں ۲۴ر ذی قعدہ ۱۲۸۷ھ/ ۱۵ فروری ۱۸۷۱ء کو وفات پائی۔ دن بدھ کا تھا۔ مصطفیٰ ذہنی نے ۲۵ر ذی قعدہ تاریخ دی ہے لیکن تقویم کے لحاظ سے بدھ کا دن ۲۴ر ذی قعدہ کو پڑتا ہے۔

میں امام منصور کی قیادت میں اسی۸۰ سال پہلے شروع ہوئی تھی ختم ہو گئی۔ روسی حکومت نے پہلے تو ان مقامی امیروں اور سرداروں کو جن کو مجاہدین نے روس سے تعاون کی وجہ سے نکال باہر کیا تھا ان کے علاقوں میں بحال کر دیا[۳۵] لیکن جلد ہی ان کو بے دخل کر دیا اور داغستان اور شمالی قفقاز کو اپنے براہِ راست انتظام میں لے لیا۔

روسیوں نے اس دوران مقامی باشندوں پر جو مظالم کیے وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ خود ایک روسی مصنّف وین یوکوف (venyukov) "مغربی قفقاز میں آبادکاری کی تاریخ" میں لکھتا ہے کہ ہر اس جگہ جہاں ہمارے سپاہی کا قدم پہنچا مقامی آبادی ختم کر دی گئی، کھڑی فصلوں کو روند ڈالا گیا اور گھر جلا دیے گئے۔ مختصر یہ کہ روسی پالیسی یہ تھی کہ مقامی آبادی کو زیادہ سے زیادہ زمینوں سے بے دخل کر دیا جائے اور ان زمینوں پر روسیوں کو آباد کر دیا جائے۔ سرکیشیا میں صرف ایک لاکھ آبادی کو اپنی آبائی زمین پر رہنے دیا گیا اور باقی زمین کاسکوں میں تقسیم کر دی گئی۔ مقامی آبادی کی بڑی تعداد جلا وطن کر دی گئی جس نے ترکی میں پناہ لی۔ ایک اور روسی اہلِ قلم پی۔ ایس۔ لچکوف (Lichkov) ایک مقالے میں لکھتا ہے کہ "۱۸۴۰ء کے قریب جب روسیوں نے بحیرۂ اسود کے کنارے ساحلی قلعہ بندیاں شروع کیں تو ساحل اور اس سے متصل پہاڑی علاقے کا چپہ چپہ مزروعہ تھا۔ ناقابلِ عبور پہاڑوں کے سدا بہار جنگلوں کے ساتھ انگور اور پھلوں کے باغات اور مرغزار دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ پھلوں سے لدے ہوئے یہ باغ، جن سے شہد اور موم بھی حاصل ہوتا تھا علاقے کی سب سے قیمتی دولت تھے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ تجارتی بندرگاہیں واقع تھیں۔ لیکن خوں ریز جنگوں نے پہاڑی باشندوں کو بے دخل کر دیا، ان کی ثقافت برباد کر دی، نہریں بند ہو گئیں، کھیت ویران ہو گئے اور باغات کاٹ ڈالے گئے۔ خود رو

۳۵۔ بارتھولڈ نے لکھا ہے کہ اس بحالی کا مقصد یہ تھا کہ ان شہزادوں کی مدد سے علما کے اثرات ختم کیے جائیں لیکن جلد ہی اس پالیسی کو ترک کر دیا گیا۔ آوار شاہی خاندان ۱۸۶۲ء میں بے دخل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے شہزادوں کو اس نام نہاد حکومت سے بھی دست بردار ہونا پڑا جو ان کے پاس تھی۔ شمخال (Shamkhal) کی معزولی ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔ اس کے بعد وہاں جو نظم ونسق قائم کیا گیا وہ ۱۹۱۷ء تک قائم رہا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگریزی) جدید ایڈیشن مقالہ "داغستان")

نباتات کی افزائش کی وجہ سے یہ پہچاننا مشکل ہوگیا کہ کھیت اور باغات کہاں سے شروع ہوتے تھے اور کہاں ختم ہوتے تھے"۔

شمالی قفقاز میں جن مقامی باشندوں کو زمین دی گئی وہ ان کی سابق ملکیت کا دسواں حصہ ہوتی تھی اور یہ زمین بھی سب سے خراب زمین ہوتی تھی۔ اچھی زمینیں روسی کاشت کاروں میں تقسیم کر دی گئیں۔ روسی حکومت کے ان مظالم کی وجہ سے چیچن، آنگش، آسی اور کبار دی قبائل کے اسی ہزار باشندے ۱۸۶۴ اور ۱۸۶۶ء میں، ہجرت کر کے ترکی چلے گئے۔[۵۴]

مقامی باشندے ان مظالم کی وجہ سے بار بار بغاوت کرتے تھے۔ سب سے سخت بغاوت ۱۸۷۷ء کی روس اور ترکی کی جنگ کے زمانے میں ہوئی۔ قفقازی باشندوں نے اس موقع پر عبدالرحمٰن آفندی کو جو شیخ شامل کے نائبوں میں سے تھے اپنا رہنما منتخب کر لیا اور سارے داغستان سے روسیوں کو نکال کر قومی ادارے بحال کر دیے۔ ستمبر میں حریت پسندوں نے کمخ (Kumukh) کا علاقہ فتح کر لیا۔ قائتے طاق (Kaytak) اور طبرسران (Tabar saran) میں پرانے حکمرانوں کی اولاد نے اپنے قدیم خطابات پھر حاصل کر لیے۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے زار روس کو کئی ڈویژن فوج داغستان اور چیچن قبائل کے علاقے میں بھیجنی پڑی۔ ترکی سے متصل بحیرۂ اسود کے ساحلی علاقے میں انجازی باشندوں نے ترکی کی حمایت میں جنگ کی۔ یہ بغاوت سختی سے کچل دی گئی اور عبدالرحمٰن آفندی اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دے دی گئی۔

۱۹۰۵ء میں جب روس میں پہلا آئینی انقلاب آیا تو داغستانیوں نے ایک بار پھر بغاوت کی اور وہ بھی حسبِ سابق کچل دی گئی۔ ان مسلسل بغاوتوں، روسی مظالم، قتل عام اور مقامی باشندوں کی ہجرت کے نتیجے میں شمالی قفقاز کی آبادی جو ۱۸۶۰ء میں تیس اور بتیس لاکھ کے درمیان تھی، ۱۸۹۷ء میں صرف سوا لاکھ ۶۲ ہزار رہ گئی۔[۵۵]

اشتراکی انقلاب

۱۸۶۵ء اور ۱۹۱۷ء کے درمیان تقریباً نصف صدی کا زمانہ بڑی حد تک امن و امان کا زمانہ تھا۔

---

[۵۴] اسٹڈیز آن دی سوویت یونین ۱۹۷۱۔ شمارہ ۱ مضمون شمالی قفقاز، ص ۲ [۵۵] ایضاً، ص۱

اس دوران صرف دو بڑی بغاوتیں ہوئی تھیں - ایک ۱۸۷۷ء میں اور دوسری ۱۹۰۵ء میں، لیکن یہ چند ماہ کے اندر دبا دی گئی تھیں - امن کے اس زمانے میں شمالی قفقاز اور داغستان میں جدید تعلیم یافتہ ایک نیا طبقہ وجود میں آگیا تھا جو اگرچہ مغربی افکار سے متاثر تھا لیکن قومی احساسات رکھتا تھا - ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں مشروطی انقلاب آیا تو اس طبقے نے ترکی کے قوم پرست طبقے سے قریبی تعلقات قائم کر لیے - اس کے بعد یہ طبقہ شمالی قفقاز کی سیاست میں غلبہ حاصل کرتا چلا گیا - فروری ۱۹۱۷ء میں جب روس میں پہلا اشتراکی انقلاب آیا اور زار روس کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا تو سلطنتِ روس میں آباد محکوم قوموں نے ایک ایک کر کے آزادی کا اعلان کرنا شروع کر دیا - داغستان میں بھی امید کی ایک کرن روشن ہو گئی - ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کو تیمیر خان شورا[۵۶] کے مقام پر حریت پسندوں کی ایک قومی کمیٹی نے ایک عارضی حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا - روسی حکام نے بھی مخالفت نہیں کی اور حریت پسندوں کو حکومت سپرد کر کے چلے گئے - اس کے بعد ایک قومی حکومت قائم کرنے کے لیے سیاسی اور عسکری محاذوں پر جدوجہد شروع کر دی گئی - اپریل ۱۹۱۷ء میں باکو میں قفقاز اور ماوراء سے قفقاز کے مسلمانوں کا اجتماع طلب کیا گیا، جس میں داغستانیوں نے بھی شرکت کی - اس اجتماع کے ایک ماہ بعد ماسکو میں سلطنتِ روس کے مسلمانوں کی کانگرس ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہر قوم کو آزادی کا حق حاصل ہے - داغستان اور شمالی قفقاز کے مسلمانوں نے ۳ مئی ۱۹۱۷ء کو تیرک قلعے میں جس کا نام روسیوں نے بدل کر ولادی قوقاز رکھ دیا تھا، پہلا بڑا اجتماع طلب کیا جس میں بحیرۂ خزر سے بحیرۂ اسود تک تمام شمالی قفقاز کے مسلمانوں نے شرکت کی - یلماز نوروز جن کا تعلق قبیلۂ قرہ پائی سے ہے، ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ جب یہ اجتماع ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تیرک قلعے میں جشن عید منایا جا رہا ہے - پوری قوم ایک عجیب جوش و خروش کے عالم میں تھی اور ہیجانی کیفیت نقطۂ عروج پر پہنچی ہوئی تھی - سارا قفقاز اس دن ایک دل اور ایک جان بن گیا تھا، اور یہ دل ایک ہی مقصد کے لیے تڑپ رہا تھا - داغستان کے ایک نمائندہ غسان (Gassanov) نے کہا کہ اگرچہ شمالی قفقاز کے لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں لیکن وہ زندگی سے متعلق اپنے نقطۂ نظر، روایات، رسوم اور مشترکہ مفادات کی وجہ سے ایک قوم ہیں[۵۷]

---

۵۶ - تیمیر خان شورا کو اب (Buynaks) کہتے ہیں - داغستان کا شہر ہے - یہ نیا نام اشتراکی روسیوں نے رکھا ہے -

۵۷ - [illegible]

اجتماع میں ایک مجلسِ عاملہ تشکیل کی گئی جس کا نام "متحدہ شمالی قفقاز اور داغستان کے پہاڑی باشندوں کی یونین کی مرکزی کمیٹی" رکھا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ

۱۔ روس کو ایک وفاقی ریاست میں تبدیل کیا جائے جس میں شمالی قفقاز کو ایک وحدت کی حیثیت حاصل ہو۔

۲۔ شمالی قفقاز کی اپنی دو ایوانی پارلیمنٹ ہوگی۔ ان میں ایک مجلس نمائندگان ہوگی اور دوسری مجلسِ اعیان۔

۳۔ داغستان کے مختلف قبائل کو اندرونی خود مختاری حاصل ہوگی۔

۴۔ ہر دو مجالسِ قانون ساز کی ایک مجلسِ عاملہ ہوگی جس کا ایک منتخب رئیس ہوگا۔

۵۔ ایک عدالتِ عالیہ قائم کی جائے گی جو یہ دیکھے گی کہ تمام کام آئین کے مطابق ہو رہے ہیں یا نہیں۔

اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ زار کی حکومت نے پچھلی صدی میں جو زمینیں ضبط کرلی ہیں وہ مقامی باشندوں کو واپس کر دی جائیں۔ زمین کی تقسیم، کان کنی، ساحلی سمندر اور جنگلوں کا انتظام مقامی حکومت کے سپرد کیا جائے۔ اجلاس میں قومی مدرسے قائم کرنے اور مقامی زبانوں کو فروغ دینے کے لیے بھی تفصیلی منصوبے تیار کیے گئے۔ اجلاس کے اختتام پر داغستان کے نمائندے سلیمان حاجی نے جو تقریر کی وہ ملی وحدت اور اخوت سے متعلق شمالی قفقاز کے پہاڑی باشندوں کے جذبات کی ترجمان تھی۔ اوزون حاجی کہہ رہے تھے:

"میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم نے جو مذاکرات کیے ہیں اور جو قرار دادیں منظور کی ہیں، وہ ہمارے ملک کو ان کے مطابق آزادی اور خوشحالی عطا کرے۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ ہم اپنے اتحاد کو اور اپنی اخوت کے جذبے کو ہمیشہ قائم رکھیں گے۔"

اس پر تمام مندوبین کھڑے ہو گئے اور انھوں نے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ متحد رہیں گے اور آزادی کی جدوجہد کو آخری دم تک جاری رکھیں گے۔ بوڑھے لوگ بھی ہاتھوں میں قرآن لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے، اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔[۵۸]

برہتی باسئے طوغان نے لکھا ہے کہ چونکہ ابھی پیٹروگراڈ میں حکومت کی گرفت مضبوط تھی اس لیے شمالی

---

۵۸ تورک کلتورو۔ شمارہ ۱۲۰، جولائی ۱۹۶۳ء مضمون "شمالی قفقاز کی متحدہ جمہوریت" از یلماز نوردز قرہ چائی

قفقاز کے مسلمانوں نے مطالبات کو محدود رکھا مگر حالات کے تحت ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ مطالبات کیے۔ اس کے بعد شمالی قفقاز کا دوسرا اجلاس جون ۱۹۱۷ء میں اندی کے مقام پر اور تیسرا ۲۴ ستمبر ۱۹۱۷ء کو تیمر خان شورہ قلعہ (ولادی قوقاز) میں ہوا۔ اس دوران روس میں حالات بگڑتے چلے گئے۔ کیرنسکی کی لبرل حکومت اپنے احکام نافذ کرنے پر قادر نہیں تھی، دوسری طرف لینن کی قیادت میں کمیونسٹ زور پکڑتے جا رہے تھے، اس لیے تیسرے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ روس چونکہ انتشار کا شکار ہے، اس لیے شمالی قفقاز کے مستقبل کے تحفظ کا تقاضا ہے کہ روس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور قومی آزادی کا اعلان کر دیا جائے۔ اجلاس نے مستقبل کے آئین کے بنیادی خطوط طے کیے، مرکزی مجلسِ عاملہ کے انتخابات ہوئے اور اس کو غیر معمولی اختیارات دیے گئے۔ کمیٹی یعنی مجلسِ عاملہ کے رئیس عبدالمجید چرموئے (Chermoy) کو اختیار دیا گیا کہ وہ جب مناسب سمجھیں، آزادی کا اعلان کر دیں۔ اس موقع پر ایک عوامی ملیشیا تشکیل کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں شمالی کاسکوں کے ساتھ مل کر مشترکہ حکومت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۷ نومبر کو پیٹروگراڈ میں کیرنسکی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور بالشویکوں نے زارِ روس کی جگہ پوری سلطنت میں کمیونسٹ اقتدار قائم کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ روسی کمیونسٹوں کو کاسکوں اور مسلمانوں کے اتحاد کی کوششیں بھی ناگوار گزریں اور انھوں نے کاسکوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے کاسکوں کی مدد کی لیکن کاسکوں کو کمیونسٹوں کے مقابلے میں شکست ہوگئی۔ اس کے بعد شمالی قفقاز کی مرکزی کمیٹی نے اپنا نام شمالی قفقاز کی عارضی حکومت رکھ لیا اور ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو روس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ ۸ دسمبر کو شمالی کاسکوں سے مشترکہ حکومت کا معاہدہ بھی منسوخ کر دیا گیا کیونکہ کمیونسٹوں کی سازش کی وجہ سے جو کاسکوں اور مسلمانوں کے اتحاد کو ناپسند کرتے تھے، چیچن انگش علاقے میں کاسکوں اور مسلمانوں میں تصادم ہونے شروع ہوگئے تھے۔

جنوری ۱۹۱۸ء میں کمیونسٹوں نے شمالی قفقاز کے کئی شہروں پر جن میں پیاتی گورسک (Pyatigorsk) اور جارجیوسک (Georgiyevsk) شامل ہیں قبضہ کر لیا۔ یہ وہ علاقہ تھا جس میں روسی آبادکاروں کی کثرت تھی۔ یہاں کمیونسٹوں نے شمالی قفقاز کا تعاون حاصل کرنے کے لیے دو بڑے اجتماعات کیے ان میں پہلا اجتماع جنوری میں موزدوک (Mozdok) کے مقام پر اور دوسرا فروری میں پیاتی گورسک

مقام پر منعقد ہوا۔ لیکن ان اجتماعات میں صرف روسیوں اور کاسکوں نے شرکت کی۔ مسلمان نمائندوں
تعداد بہت کم تھی اور وہ بھی غیر نمائندہ حیثیت رکھتے تھے۔ اجتماعات کا انتظام مشہور روسی کمیونسٹ
رف کے ہاتھ میں تھا جو اسٹالن کا دایاں بازو سمجھا جاتا تھا۔ ۴ مارچ ۱۹۱۸ء کو ان روسی کمیونسٹوں
"تیرک عوامی سوویٹ" کے نام سے ایک حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اور روسی وفاق سے
ق کا اعلان کر دیا۔ عوامی سوویٹ میں اکثریت غیر مقامی لوگوں کی تھی اور عوامی کمیساروں کی
ں میں جسے سارے اختیارات حاصل تھے ایک بھی مسلمان یا مقامی باشندہ نہیں تھا۔

شمالی قفقاز کی روسی بستیوں میں اپنے پاؤں جمانے کے بعد روسی کمیونسٹوں نے مارچ ۱۹۱۸ء میں
ربند گاڑیوں کی مدد سے تیرک قلعہ (ولادی قوقاز) پر حملہ کر دیا جو داغستان اور شمالی قفقاز کے حریت پسندوں
رکز تھا۔ کئی دن کی جنگ کے بعد روسی کمیونسٹ تعداد اور اسلحہ میں برتر ہونے کی وجہ سے شہر پر
ض ہو گئے اور حریت پسندوں کی مرکزی کمیٹی تیرک قلعہ سے فرار ہو کر تیمیر خاں شورا پہنچ گئی جس کا نام
کل بوئی ناکس (Buynaks) ہے اور جہاں سے ۱۹۱۷ء کے موسم خزاں میں حریت پسندوں نے
سیوں کو نکال باہر کیا تھا۔ شمالی قفقاز کے بعض شہروں پر اگرچہ روسی کمیونسٹ قابض ہو گئے تھے
ن وہ تمام علاقے جہاں کی آبادی مسلمان تھی، اب بھی شمالی قفقاز کی عارضی حکومت کے تحت تھے، ہاں
سیوں نے جو سوویٹ قائم کی تھیں وہ سب عارضی حکومت کے تابع تھیں۔ اپریل کے آخر میں روسی کمیونسٹوں
استراخان سے جہازوں کے ذریعے ایک بڑی فوج شمالی قفقاز کے ساحل پر اتاری جس نے چھاپہ مار کر
رگاہ پیٹروفسک پر قبضہ کر لیا جس کا نام حریت پسندوں نے شامل قلعہ رکھ دیا تھا۔ یہاں سے
ہی تیمیر خاں شورا کی طرف بڑھے۔ شمالی قفقاز کی عارضی حکومت اس شہر کو بھی خالی کرنے پر مجبور ہو گئی
پہاڑوں میں گونیب (Gunib) کے مقام پر منتقل ہو گئی جو امام شامل کا آخری مورچہ تھا۔

اس دوران میں شمالی قفقاز کی عارضی حکومت نے ترکی کی عثمانی سلطنت سے مذاکرات شروع کر دیے
ے۔ اس مقصد کے لیے تیمیر خاں شورا میں ہونے والی عوامی کانگریس (قورلتائی) کا منتخب کردہ ایک
مذاکرات کے لیے ترکی کے شہر ترابزون بھیجا گیا تھا۔ ان مذاکرات میں آذربائیجان، گرجستان اور
رمینیہ کے وفود نے بھی شرکت کی تھی۔ مذاکرات کا مقصد ترکی کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ ترابزون کے
اکرات میں داغستان کے وفد نے پورے قفقاز کا ایک وفاق بنانے کی تجویز پیش کی، لیکن یہ تجویز ارمنی

اور گرجستانی نمائندوں کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ بہرحال مذاکرات میں مندوبین اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر یہ دونوں وفود آزاد اور خود مختار حکومت کے نمائندوں کی حیثیت سے مذاکرات کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس فیصلے کے فوراً بعد گونیب میں عوامی کانگریس نے ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء کو "شمالی قفقاز کی متحدہ جمہوریت" کے قیام کا اعلان کر دیا۔ عوامی کانگریس نے پارلیمنٹ کی شکل اختیار کر لی۔ ترابزون کے وفد کے رہنما عبدالمجید چرموئے کو جمہوریہ کا صدر اور وفد کے ایک دوسرے رکن حیدر بم مات (Haydar-Bammat) کو وزیر خارجہ منتخب کیا گیا۔ ترابزون کے وفد کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ شمالی قفقاز کی آزاد ریاست کے قیام سے بیرونی ملکوں کو مطلع کر دے۔ اس کے بعد ۲۶ مئی کو گرجستان نے اور ۲۸ مئی کو آذربائیجان اور آرمینیہ نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔ عثمانی سلطنت نے تمام قفقازی ریاستوں کی ازروئے قانون (De jure) آزادی تسلیم کر لی اور جرمنی نے ان کی بالفعل (De facto) آزادی تسلیم کر لی۔ روسی حکومت نے اس پر ماسکو میں متعین ترکی سفیر سے احتجاج کیا۔ لیکن ترکی میں عوام اور اخبارات نے شمالی قفقاز کی آزادی کا خیر مقدم کیا۔ داغستانی وفد جو ۶ مئی کو ترابزون سے استنبول پہنچ چکا تھا اس نے اس کے بعد ترکی سے دوستی اور امداد کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔

شمالی قفقاز کی آزاد جمہوریت کے قیام کا اعلان روسی کمیونسٹوں کو ناگوار گزرا۔ روسی حکومت نے اس پر ایک طرف تو ان بیرونی ملکوں سے احتجاج کیا جنھوں نے شمالی قفقاز کی آزادی کو تسلیم کر لیا تھا اور دوسری طرف قفقاز میں موجود روسی دستوں کو نئی مملکت پر حملے کا حکم دے دیا۔ داغستان کے حریت پسندوں نے یہ حملے پسپا کر دیے اور ان کے تین ڈویژن برباد کر دیے۔ تیرک کے کاسک باشندے بھی کمیونسٹوں کی نافذ کردہ زمینی اصلاحات کی وجہ سے باغی ہو گئے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر شمالی قفقاز کے دستوں نے ایک طرف شہر نالچک فتح کر لیا جو کیبردی بلکار علاقے میں واقع تھا، اور دوسری طرف داغستان میں خساف یورت (Khasavyurt) سے کمیونسٹوں کو نکال کر بندر پیٹروفسک کا محاصرہ کر لیا جس پر استراخان کی طرف سے آنے والی روسی فوجوں نے کچھ عرصہ پہلے قبضہ کیا تھا۔

بدلی ہوئی صورت حال دیکھ کر روسی کمیونسٹوں نے داغستان کی آزادی کو تسلیم کر لینے کا وعدہ کر لیا۔ لیکن اس دوران جنرل دے نیکن کے تحت سفید روسی شمالی قفقاز میں آ دھمکے اور انھوں نے حریت پسندوں

ے جنگ شروع کردی ۔ اس دوران میں شمالی قفقاز اور ترکی کے درمیان ہونے والے معاہدے کے
ت ترکی نے ستمبر ۱۹۱۸ء میں جنرل یوسف عزت پاشا کے تحت ایک ڈویژن فوج کمک کے طور پر روانہ
ری ۔ یہ دراصل اس فوج کا ایک حصہ تھی جو انور پاشا کے بھائی نوری پاشا کی کمان میں قفقاز اسلام
دو یعنی قفقاز کی اسلامی فوج کے نام سے قفقازی مسلمانوں کی مدد کے لیے تیار کی گئی تھی ۔ اس فوج کی
شریت سرکیشی ترکوں پر مشتمل تھی ۔ یوسف عزت پاشا کے اجداد کا تعلق بھی شمالی قفقاز سے تھا ، جو
یسویں صدی میں شمالی قفقاز پر روسی تسلط کے بعد ہجرت کر کے ترکی چلے گئے تھے ۔ اس فوج نے
۱ستمبر کو باکو پر قبضہ کر لیا اور ۶ اکتوبر کو داغستان کا شہر دربند بھی فتح کر لیا ۔ عثمانی دستے کے کمانڈر یوسف
عزت پاشا کے ساتھ جمہوریہ شمالی قفقاز کے صدر عبدالمجید چیمنی فاتحانہ انداز سے شہر میں داخل ہو گئے ۔
ربند میں سات ستاروں پر مشتمل قومی پرچم لہرا دیا گیا ۔ جنرل وسے نیکن کی فوج نے جو شامل قلعہ (بندر
پیٹروفسک) اور تیمیر خان شورا پر قابض ہو گئی تھی ، اس کے بعد یہ دونوں شہر خالی کر دیے ۔ اسلام اُردو
فوج ابھی شمالی قفقاز کی حکومت کو مستحکم بنانے میں مصروف تھی کہ جنگ عظیم اول میں عثمانی ترکوں کو شکست
ہو گئی اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو انھوں نے مندروس کے معاہدۂ جنگ بندی پر دستخط کر دیے ۔

مآثر لاہور

سید ہاشمی فرید آبادی

سید ہاشمی فرید آبادی بحیثیت ایک مورخ کے محتاج تعارف نہیں ۔ ان کی یہ کتاب غزنوی دور تک کے لاہور کی تاریخ ہے ۔ لاہور پاکستان کا مشہور ثقافتی و علمی مرکز ہے اور ہمیشہ سے علم و سیاست کا گہوارہ رہا ہے ۔ اس سرزمین سے بلند پایہ شاعر ، ادیب ، اصحاب علم اور ارباب سیف پیدا ہوتے رہے ہیں ۔ کتاب کے پہلے حصے میں ارباب سیف و سیاست اور قدیم لاہور کے والیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرا حصہ صاحبان علم و قلم لاہور کے مشائخ ، علما ، مصنفین و شعرا سے متعلق ہے ۔

صفحات ۲۰۸ + ۲۰۷ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافت اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور